تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلباء کے لیے عظیم خوشخبری
اعلی حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز
کے عظیم الشان رسالہ" منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین" کی تلخیص
التلخیص
لمنیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین
تلخیص
محمد احمد سعید سیالوی
جامعہ محمدیہ معینیہ فیصل آباد

نام کتاب : التلخیص لمنیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین

مصنف: مفتی محمد احمد سعید سیالوی مدرس جامعہ محمدیہ معینیہ

کمپوزنگ: عبداللہ سیالوی

ناشر: جامعہ محمدیہ معینیہ 214 رب ڈھڈی والا فیصل آباد

0418544971/03008092933

❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی نورعیون المسلمین بنورعین اعیان المرسلین، والصّلاۃ والسلام علی نور العیون سرور القلب المحزون محمدنالرفیع ذکرہ فی الصلاۃ والاذان،والجیب اسمہ عند اہل الایمان،وعلی اٰلہ وصحبہ والمشروحۃ صدورھم لجلال اسرارہ والمفتوحۃ عیونھم بجمال انوارہ.واشھدان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ،وان محمّدا عبدہ ورسولہ بالھدی ودین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین،وعلینا معھم وبھم ولھم یاارحم الراحمین اٰمین،قال العبدالذلیل للمولی الجلیل عبدالمصطفٰی احمدرضاالمحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی،نوراللہ عیونہ واصلح شیونہ مستعینا برب الفلق من شرما خلق وحامداللہ علیٰ ماالھم ووفق۔

حضور پرنور شافع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز ہے،جس کے مقام تبرع میں جواز پر بکثرت دلائل موجود ہیں جیسا کہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ، ریحانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نقیب اولیائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضر علیہ السلام سے روایات موجود ہیں۔جس کی قدرے تفصیل امام سخاوی کی مقاصد حسنہ، جامع الرموز، شرح نقایہ، مختصر الوقایہ اور ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے، اور کوئی خاص دلیل نہ بھی ہو تو منع پر دلیل نہ ہونا اس کے جواز کی کافی ووافی دلیل ہے، جو نا جائز کہے دلیل اس کے ذمہ ہے۔

اعتراض:۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ محدثین وفقہاء جیسا کہ امام سخاوی نے مقاصد حسنہ، ملاعلی قاری نے موضوعات کبیر اور ابن عابدین نے ردالمحتار میں جواز ثابت کرنے والی روایات کے متعلق کہا: (بالترتیب ملاحظہ فرمائیں)

(۱) ''لا یصح فی المرفوع من کل ھذا شئی'' یعنی بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی صحیح نہیں۔
(مقاصد حسنہ،ص ۳۸۵)

(۲) ''کل ما یروی فی ھذا فلا یصح رفعه البته'' یعنی اس باب میں جو بھی روایت کیا گیا ہے ان کا مرفوع ہونا حتمی نہیں۔ (الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ،موضوعات کبیر:۲۱۰)

(۳) ''فلم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئی'' یعنی بیان کردہ مرفوع روایات سے کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔ (ردالمحتار،ج ا،ص ۲۹۳)

جواب:۔

تو اس کا جواب یہ ہے اصطلاحات محدثین کے مطابق نفی صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ ان روایات پر حکم وضع وکذب لگا یا جائے، جبکہ ان روایات کے طرق بکثرت موجود ہیں اور کثرت طرق سے نقصان بھی پورا ہو جاتا ہے، اور اگر بالفرض نہ بھی ہو فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بالاجماع مقبول ہیں۔

اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محدثین نے احادیث مرفوعہ کو غیر صحیح کہا ہے، اس سے احادیث موقوفہ کا غیر صحیح ہونا بھی لازم نہیں آتا۔اسی وجہ سے ملا علی قاری نے کہا:

''قلت واذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی اللہ عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین''(موضوعات کبیر،ص ۲۱۰)

میں (علی قاری) کہتا ہوں: کہ جب اس کی نسبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ثابت ہے تو یہی عمل کے جائز ہونے کیلئے کافی ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین کہ تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

لہذا اس حدیث پاک کی روشنی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثبوت بعینہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت ہے اگر چہ مرفوع حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچے۔

امام سخاوی ''المقاصد الحسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ'' میں فرماتے ہیں:

''حَدِیثُ: مَسْحِ الْعَیْنَیْنِ بِبَاطِنِ أُنْمُلَتَیِ السَّبَّابَتَیْنِ بَعْدَ تَقْبِیلِهِمَا عِنْدَ سَمَاعِ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، مَعَ قَوْلِهِ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا، ذَكَرَهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ قول المؤذن أشهد أن محمد رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا، وَقَبَّلَ بَاطِنَ الأُنْمُلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي، ولا يصح‘‘

(المقاصد الحسنة: رقم الحدیث: 1021 ص 384)

یعنی موذن سے ’’أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰه‘‘ سنتے وقت انگشتانِ شہادت کے پورے اندر کی جانب سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا’’: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا‘‘ پڑھنا: اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: کہ جب صدیق اکبر نے موذن کا قول ’’أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰه‘‘ سنا تو یہ دعا پڑھی اور انگشتان شہادت کے پوروں کو جانبِ باطن سے چوما اور اپنی آنکھوں پر ملا: اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ایسا کام کرے جو میرے پیارے نے کیا ہے تو اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی: اس پر امام سخاوی نے کہا: ’’ولا یصح‘‘ یعنی محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں۔

اس کے بعد امام سخاوی نے سیدنا خضر علیہ السلام کی روایت ذکر کی:

’’عن الخضر عليه السلام أنه: من قال حين يسمع المؤذن يقول أشهد أن محمد رسول الله: مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يرمد أبدا‘‘

سیدنا خضر علیہ السلام سے روایت ہے: کہ جو بندہ موذن کا قول ’’أشهد أن محمد رسول الله:‘‘ سن کر ’’مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ‘‘ کہے اور دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے اسکی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی۔

اس روایت کے متعلق امام سخاوی نے فرمایا: اس حدیث کو ابوالعباس احمد بن ابوبکر نے ایسی سند کیساتھ ذکر کیا ہے جس میں مجاہیل ہیں اور یہ روایت منقطع بھی ہے۔

امام سخاوی نے اس کے بعد چند اقوال وواقعات نقل فرمائے جن سے اس عمل کی فضیلت اور برکت معلوم ہوتی ہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

(۱) امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جوشخص ''أشهد أن محمدا رسول الله'' سن کر ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ '' کہے اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے تو اسکی نہ آنکھیں دکھیں گی اور نہ اندھا ہوگا۔(المقاصد الحسنۃ: رقم الحدیث: 1021 ص 384)

(۲) امام وخطیب مدینہ منورۃ محمد بن صالح نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے روایت کیا ہے کہ جوشخص اذان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگلی اور انگوٹھا ملا کر انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے تو اسکی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی۔(المقاصد الحسنۃ: رقم الحدیث: 1021 ص 384)

(۳) اسی طرح محمد بن صالح فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن زرندی سے بعض شیوخ عراق وعجم کے بارے سنا: وہ کہتے ہیں: کہ جوشخص آنکھوں پر ہاتھ لگاتے وقت یہ درود'' صلى الله عليك يا سيدي يا رسول الله يا حبيب قلبي ويا نور بصري ويا قرة عيني '' پیش کرے: امام مدینہ فرماتے ہیں شیخ مجد اور محمد بن زرندی نے بتایا کہ جب سے ہم یہ کرتے ہیں کبھی آنکھیں نہیں دکھی۔(المقاصد الحسنۃ: رقم الحدیث: 1021 ص 384)

(۴) امام مدینہ شمس الدین محمد بن صالح فرماتے ہیں جب سے میں نے ان دوشیوخ سے یہ عمل سنا، میں نے عمل شروع کر دیا تو آج تک میری آنکھیں نہیں دکھیں، اور یہی امید ہے اچھی رہیں گی اور کبھی اندھا نہیں ہوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔(المقاصد الحسنۃ: رقم الحدیث: 1021 ص 384)

(۵) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"سئلت عن تقبيل الابهامين ووضعهما على العينين عند ذكر اسمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الاذان،هل هو جائز ام لا،اجبت ....جائز،بل هو مستحب صرح به مشايخنا فى غير ما كتاب" (فتاوٰی جمال بن عبداللہ عمر مکی)

کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سننے پر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق سوال ہوا۔آیا یہ جائز ہے یا نہیں تو میں نے جواب دیا یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے ہمارے مشائخ نے متعدد کتب میں اسکی تصریح کی ہے۔

(افادۂ اول):1

صحیح نہ ہونے کا یہ معنی نہیں کہ غلط اور باطل ہے کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں صحیح اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے،جسکی بہت کڑی شرائط ہیں ان کا دائرہ بہت تنگ ہے،صحاح ستہ میں بھی سب صحیح نہیں بلکہ تغلیباً صحیح کہا جاتا ہے،اوراس کے بعد درجہ

حسن ہے جس میں صحیح کے بعض اوصاف اس بلند درجہ سے کم ہوتے ہیں جو بلند درجہ حدیث صحیح میں مطلوب ہے۔ حدیث حسن اگر چہ صحیح نہیں لیکن اس میں کوئی قباحت نہیں، اگر قباحت ہوتی تو اسکا نام حسن نہ ہوتا، اس قسم کی سینکڑوں احادیث صحیح مسلم وغیرہ میں ہیں بلکہ بعض احادیث صحیح بخاری میں بھی حسن ہیں۔ حدیث حسن قابل احتجاج ہے، علماء احکام حلال وحرام میں اسے حجت بناتے ہیں۔

افادۂ اول کے متعلق چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) محقق حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں: ترمذی کا یہ کہنا ''لایصح عن النبی ﷺ فی هذا الباب شئی'' (کہ اس باب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی) وجودِ حسن کی نفی نہیں کرتا۔ مقصود کو ثابت کرنا صحیح پر ہی موقوف نہیں، جیسے صحیح سے مقصود ثابت ہوتا ہے ایسے ہی حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ (حلیۃ المحلی)

(ب) ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں: امام احمد کے اس فرمان ''انه حدیث لایصح'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح لذاتہ نہیں، اس سے حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی، حسن اگر چہ لغیرہ ہو وہ حجت ہے۔ (الصواعق المحرقہ، الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم۔ص185)

(ج) ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''من نفی الصحة لاینتفی الحسن'' صحت کی نفی سے حسن کی نفی نہیں ہوتی۔ (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بحث حدیث حسن لذاتہ، ص33)

(د) علامہ سمہودی میں فرماتے ہیں: کہ کبھی حدیث صحیح نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود قابل حجت ہوتی ہے اس لیے کہ حسن کا درجہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ہے۔ (جواہر العقدین فی فضل الشرفین)

(ر) ملا علی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں: ''"لایصح" لاینافی الحسن'' یعنی محدثین کا قول ''لایصح'' حسن کے منافی نہیں۔ (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: رقم الحدیث: 929، ص236)

(علامہ زرقانی، شیخ محقق اور ابن ہمام رحمھم اللہ تعالیٰ سے بھی اس مفہوم کی تصریحات ملتی ہیں)

صحیح اور موضوع کے درمیان درجات:۔

بلکہ صحیح اور موضوع کے درمیان کئی درجات ہیں، صحیح اور موضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر ہیں۔

جیسا کہ محمد طاہر فتنی فرماتے ہیں:

''بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر فان الوضع اثبات الكذب

والاختلاق وقولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم ‘‘(مجمع بحار الانوار، ج3ص506)

یعنی ہم محدثین کے قول ’’لا یصح ‘‘ اور ’’موضوع ‘‘ کے درمیان بون کبیر ہے، کیونکہ وضع تو اثبات کذب وافتراء ہے۔اور ’’لم یصح ‘‘ سے نفی حدیث لازم نہیں آتی۔

اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے کہا:

’’لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا ‘‘(القول المسدد ص45)

ملا علی قاری نے کہا:

’’لا یلزم عن عدم الصحۃ وجود الوضع کما لا یخفی ‘‘(الموضوعات لعلی قاری رقم الحدیث: 1223،ص318)

صحیح اور موضوع کے درمیان اقسام

صحیح اور موضوع کے درمیان بہت اقسام ہیں۔

ابتدا سے انتہاء تک مقبول ومردود احادیث کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ صحیح لذاتہ

۲۔ حسن لذاتہ

۳۔ صحیح لغیرہ

۴۔ حسن لغیرہ

۵۔ ضعیف بضعف قریب

اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاط راوی، سوء حفظ یا تدلیس۔

پہلے چار قسم محتج بہا ہیں اور آخری قسم صالح ہے یہ متابعات اور شواہد میں کام آتی ہے۔اور اگر کمی پوری ہوجائے تو درجہ حسن لغیرہ یا صحیح لغیرہ تک بھی پہنچ جاتی ہے، کمی نہ بھی پوری ہو فضائل میں تنہا بھی مقبول ہے۔

۶۔ ضعیف بضعف قوی ووہن شدید

جیسے راوی کا فسق کی وجہ سے متروک ہونا بشرطیکہ کذب سے موصوف نہ ہو، یہ حدیث اعتبار کے لائق بھی نہیں اور راجح مذہب کے مطابق فضائل میں قابل قبول نہیں۔

ے مرتبہ مطروح ہے ایسی روایت کا دارومدار وضاع، کذاب یا متہم بالکذب راوی پر ہوتا ہے۔ محدثین کی تصریح کے مطابق اگرچہ موضوع نہیں لیکن حکما موضوع ہے۔

۸ے سب سے آخری درجہ موضوع کا ہے۔ یہ بالاجماع کسی باب میں بھی لائق اعتبار نہیں بلکہ اسے حدیث کہنا ہی توسع اور قول بالمجاز ہے۔

(افادۂ دوم):2

جہالت راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔ راوی کے مجہول ہونے سے حدیث صرف ضعیف ہوتی ہے موضوع نہیں ہوتی۔

بلکہ محدثین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت و مانع حجیت بھی ہے یا نہیں۔ اس میں قدرے تفصیل ہے۔

مجہول کی تین اقسام ہیں۔

۱ے مستور، جس کی ظاہری عدالت معلوم ہو، باطن کی تحقیق نہیں اس قسم کے راوی صحیح مسلم میں بکثرت موجود ہیں۔

جمہور محققین کے نزدیک قابل استدلال ہے۔ یہی موقف امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے، البتہ امام شافعی کا مذہب اس کے برعکس ہے

۲ے مجہول العین جس کا نام معلوم ہو لیکن دیگر تفصیلات معلوم نہ ہوں اور اس سے صرف ایک ہی شخص روایت کرتا ہو۔ جیسے شداد طائی، مالک بن اغر، عمر ہمدانی ان تمام راویوں سے صرف ابواسحاق سبیعی نے روایت کی ہے

۳ے مجہول الحال جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہ ہو۔

ان دونوں قسموں کو جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں، البتہ بعض اکابر حجت بھی مانتے ہیں

جیسا کہ امام زین الدین عراقی نے الفیہ میں اسکی تصریح کی ہے۔ البتہ امام نووی کی تصریح کے مطابق مجہول العین بھی اکثر محققین کے ہاں قابل استدلال ہے۔ اور سیدی ابوطالب مکی نے قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں اسی کو فقہائے کرام و اولیائے عظام کا مذہب قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں راوی کا مجہول ہونا باعث ضعف و جرح نہیں کیونکہ اس نے گمنامی پسند کی اور خود شرع میں اسی کی ترغیب ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جہالت کی وجہ سے حدیث موضوع نہیں ہوتی، حد درجہ ضعیف ہوتی ہے اور فضائل میں تو ضعیف بھی معتبر ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بہت سے محدثین نے احادیث کی تحکیم کرتے ہوئے جو عبارت بیان کی ہے اُن میں یہ بات ہے کہ اس حدیث کے رواۃ میں مجہول راوی ہے یا مجاہیل ہیں لیکن یہ موضوع نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث کے تحت ابن حجر مکی نے کہا:

''فیہ راو مجھول ولایضر لانہ من احادیث الفضائل''

ایک حدیث کے تحت زین الدین عراقی نے کہا:

''انہ لیس بموضوع وفی سندہ مجھول''

ایک حدیث کے تحت سیوطی نے کہا:

''لو ثبتت جھالتہ لم یلزم ان یکون الحدیث موضوعا مالم یکن فی اسنادہ من یتھم بالوضع''

ایک حدیث کے تحت رافعی نے کہا:

''لا یلزم من الجھل بحال الراوی ان یکون الحدیث موضوعا''

ایک حدیث کے تحت سہیلی نے کہا:

''فی اسنادہ مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط''

اور ایک حدیث کے تحت ابن کثیر نے ''منکر جدا وسندہ مجھول'' کہا ہے،

جبکہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کی رسالہ فضائل نصف شعبان کی عبارت بھی اس مسئلہ (جہالت موجبِ وضع نہیں ہے) میں خوب واضح ہے۔ فرماتے ہیں:

جھالۃ بعض الرواۃ لاتقتضی کون الحدیث موضوعاً فینبغی ان یحکم علیہ بانہ ضعیف، ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال

یعنی بعض راویوں کا مجہول ہونا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ یہ حدیث موضوع ہو جائے، ہاں اس پر یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ضعیف ہے، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

محدثین کی ان عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جہالت موجب وضع نہیں۔

❀❀

(افادۂ سوم):3

حدیث منقطع بھی موضوع نہیں، ہمارے ائمہ کے نزدیک تو انقطاع سے صحت و حجیت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں:

''ضعف بالانقطاع وھو عندنا کالارسال بعد عدالۃ الرواۃ و ثقتھم لایضر''

یعنی یہ انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور وہ ہمارے نزدیک راویوں کی عدالت اور ثقاہت ثابت ہوجانے کے بعد ارسال کی طرح ہے، انقطاع نقصان دہ نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابن امیر فرماتے ہیں: ''لایضر ذلك فان المنقطع کالمرسل فی قبولہ من الثقات''

اور حدیث منقطع بالاجماع فضائل میں قابلِ عمل ہے کیونکہ وہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے:

جیسا کہ ابن حجر مکی ایک حدیث کے تحت کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

لایضر ذلك فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا۔ یعنی یہ امر (یعنی انقطاع) یہاں کچھ استدلال کیلئے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ منقطع پر فضائل میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔

(افادہ چہارم):4

حدیث مضطرب، بلکہ منکر، بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں۔ بلکہ فضائل اعمال میں معتبر ہے جیسا کہ التعقبات علی الموضوعات میں ہے:

''المضطرب من قسم الضعیف لا الموضوع'' (مضطرب حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں ہے)

اسی طرح یہ بھی ہے ''المنکر نوع آخر غیر الموضوع وھو من قسم الضعیف'' (منکر، موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے)

یہ بھی اس میں ہے

''صرح ابن عدی بان الحدیث المنکر فلیس بموضوع'' (ابن عدی نے تصریح کی ہے کہ حدیث منکر، موضوع نہیں ہوتی)

❀ ❀

(افادۂ پنجم):5

جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو جیسے کہ کوئی کہے'' حدثنی رجل '' یا'' بعض اصحابنا '' تو یہ صرف ضعف کا سبب ہے موجبِ وضع نہیں۔

(فائدہ: افادۂ دوم میں شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، اس افادہ میں جس کی بات ہورہی ہے وہ رجل مبہم ہے یعنی اسکا نام بھی معلوم نہیں)

جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: '' لایستحق الحدیث ان یوصف بالوضع بمجرد ان راویه لم یسم '' کہ صرف راوی کا نام نامعلوم ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع کہلانے کی مستحق نہیں ہوجاتی۔

(افادۂ ششم):6

رُواۃ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہنا ظلم ہے، کیونکہ جب جہالت اور ابہام کی وجہ سے کوئی حدیث موضوع نہیں ہوتی تو راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کیونکر موضوع ہوگی۔ جہالت اور ابہام تو عدم علمِ عدالت ہے اور بداہۃ عقل اس بات پر شاہد ہے علمِ عدم، عدم علم پر زائد ہے، کیونکہ مجہول فی نفسہ ثقہ بھی تو ہوسکتا ہے جبکہ راوی اگر ضعیف ہو تو اس کے ثقہ ہونے کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ اور صرف ضعف کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہنا ظلم ہے۔

اس پر ائمہ نے تصریح فرمائی ہے جیسا کہ امام سیوطی نے'' التعقبات علی الموضوعات لابن الجوزی'' میں فرمایا ہے:

'' کہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی، اس میں انہوں نے عقل و نقل کے خلاف روایات کی نشاندہی کرکے بہت اچھا کام کیا لیکن بعض رواۃ پر کلام'' فلان ضعیف، لیس بالقوی، لین '' کی وجہ سے ان کی مرویات پر حکم وضع لگا کر درست نہیں کیا''

(افادۂ ہفتم):7

جہالت راوی سے بدر جہا بدتر سخت سے سخت اقسام جرح میں بھی حدیث موضوع نہیں بنتی۔ مثلاً راوی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کرے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے، یعنی دوسرا اگر یہ کہہ دے کہ تو نے یہ سنا تھا تو وہی مان لے یہ غفلت ہے اور غفلت فسق سے بھی بدتر ہے جبکہ جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ اسباب طعن مندرجہ ذیل ہیں اور ہر پہلا دوسرے سے زیادہ سخت ہے۔ ابن حجر نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔

(1) کذب

(2) تہمت

(3) کثرتِ غلط

(4) غفلت

(5) فسق

(6) وہم

(7) مخالفتِ ثقات

(8) جہالت

(9) بدعت

(10) سوءِ حفظ

اور بہت سی تصریحات بھی اس پر موجود ہیں کہ غفلت کی وجہ سے حکم وضع نہیں جیسا کہ تعقبات میں ایک حدیث کے تحت امام سیوطی فرماتے ہیں:

''فیہ یزید بن ابی زیاد وکان یلقن فیتلقن، قلت ھذا لا یقتضی الحکم بوضع حدیثہ''

اس میں یزید ابن ابوزیاد ہے اسے تلقین کی جاتی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا، میں (سیوطی) کہتا ہوں کہ یہ اس کی حدیث کے موضوع ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔

(افادۂ ہشتم):8

منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں، اگر چہ یہ اتنی شدید جرح ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں امام بخاری سے نقل کیا:

''ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ''

جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔

اس کے باوجود بھی حدیث موضوع نہیں جیسا کہ تعقبات میں ہے

''قال البخاری منکر الحدیث، فغایۃ امر حدیثہ ان یکون ضعیفا''

یعنی امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔

(افادۂ نہم):9

جس شخص پر متروک کیساتھ جرح کی گئی ہے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں جبکہ ضعیف رواۃ میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے اس کے بعد صرف "متہم بالوضع" یا" کذاب دجال" کا مرتبہ ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے

''اردی عبارات الجرح، دجال کذاب او وضاع یضع الحدیث ثم متھم بالکذب و متفق علی ترکه ثم متروك''

جرح کے سب سے گھٹیا الفاظ یہ ہے۔ دجال کذاب، وضاع یضع الحدیث، اس کے بعد متہم بالکذب ہے اور اس کے ترک پر اتفاق ہے پھر متروک ہے۔

متروک شخص کی حدیث کے صرف ضعیف ہونے پر محدثین کی تصریحات موجود ہیں: جیسا کہ امام سیوطی نے اللآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ میں فرمایا ہے:

''زعم ابن حبان و تبعه ابن الجوزی ان هذا المتن موضوع، ولیس کما قال، فان الراوی وان کان متروکا عند الاکثر ضعیفا عند البعض فلم ینسب للوضع''

ابن حبان نے یہ گمان کیا اور ابن جوزی نے ان کی پیروی میں کہا کہ یہ متن موضوع ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ راوی اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے لیکن یہ وضع کیطرف منسوب نہیں۔

ایسے ہی امام جلال الملۃ والدین نے تعقبات میں فرمایا:

''اصبغ شیعی متروك عند النسائی، فحاصل کلامه انه ضعیف لا موضوع وبذلك صرح البیهقی''

اصبغ شیعہ ہے، امام نسائی کے ہاں متروک ہے: ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے موضوع نہیں اور اسی کی تصریح بیہقی نے کی ہے۔

حتی کہ امام شوکانی نے بھی ''زہر النسرین فی حدیث المعمرین'' میں یہی کہا:

موضوعات ابو الفرج میں حدیث ہے:''جب مسلمان کی عمر ۴۰ برس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جنون، جذام اور برص کو اس سے پھیر دیتا ہے، ۵۰ برس والے پر حساب میں نرمی، ۶۰ برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ۷۰ برس والے کو

اللہ عزوجل اور اسکے فرشتے دوست رکھتے ہیں، ۸۰ برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف ،نوے برس والے کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، وہ زمیں میں اللہ کا قیدی کہلاتا ہے اوراپنے گھر والوں کا شفیع ہوتا ہے''۔

ابن جوزی نے متعدد طرق سے اس روایت کو بیان کرکے اس کے راویوں پر طعن کیا مثلاً کسی کے بارے کہا''لیس بشئی''کسی کو''منکر الحدیث''کسی کو''متروك''کسی کو''مستحق تر که''کسی کو''ضعیف''اور کسی کو''مجهول''کہا ہے۔

ان سب مطاعن کو شوکانی نے نقل کرکے کہا:

''فلیس مثل هذه المقالات توجب الحکم بالوضع بل اقل احوال الحدیث ان یکون حسنا لغیره،،

یعنی اس قسم کی طعن حکم وضع کے موجب نہیں ہیں، بلکہ کم از کم حال اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ حسن لغیر ہ ہے۔

(افادۂ دہم):10

کسی بھی حدیث پر حکم وضع کے مندرجہ ذیل اسباب ہوتے ہیں۔

اس روایت کا مضمون (۱) قرآن کریم (۲) یا سنت متواترۃ (۳) یا اجماع قطعی قطعیۃ الدلالۃ

(۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کا ایسا مخالف ہو کہ کوئی احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(۷) یا اس روایت کا معنی شنیع وقبیح ہو کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا صدور نہ ہو سکے۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حد تواتر کو پہنچے اوران میں کذب کا احتمال یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ ہو، اس کے کذب و بطلان پر گواہی مستند الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے کام کی خبر ہو کہ اگر وہ کام واقعتاً ہوتا تو اسکی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہوجاتی ،لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس روایت کے علاوہ اس کا کہیں وجود نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ ہو۔ ان دس صورتوں میں وضع واضح ہے۔

(۱۱) یا حکم وضع یوں لگایا جاتا ہے کہ حدیث کے الفاظ ہی رکیک وسخیف ہوں، سمع وطبع کے موافق نہ ہوں اور ناقل اس بات کا بھی مدعی ہو کہ بعینہ یہ الفاظ افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں یا وہ یہ دعوی تو نہ کرے لیکن وہ نقل بالمعنی کا محل ہی نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی ہو حضرات اہل بیت کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے فضائل میں وہ نقل کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہو۔

یا ناصبی مناقب امیر معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں وہ نقل کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہو۔(ابو یعلی اور حافظ خلیلی کی تصریح کے مطابق روافض نے فضائل اہل بیت میں تین لاکھ احادیث گھڑی اور امام احمد بن حنبل کی تصریح کے مطابق نواصب نے بھی مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ میں احادیث وضع کی ہیں۔

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی لالچ میں یا غصے کی وجہ سے ابھی گھڑی ہے۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں وجود نہ ہو، اور یہ صرف اجلہ حفاظ کا کام تھا جسکی لیاقت صدہا سال سے معدوم ہے۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کرے، خواہ صراحۃً ہو خواہ ایسی بات کہہ دے جو بمنزلہ اقرار ہو مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ دعوی سماع کرے، پھر اسکی تاریخ وفات ایسی بتائے کہ اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یاد رہے کہ امام سخاوی نے فتح المغیث میں فرمایا ہے:

اگر کوئی متبحر محدث جس کو حدیث میں استقصائے تام ہو، اسے اگر کوئی روایت کذاب یا وضاع راوی سے جدا نہ ملے تو پھر بھی اس حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ میں سے کوئی اس میں موجود نہ ہو۔

ان افادات سے ثابت ہوا کہ کوئی حدیث موضوع تب ہوتی ہے جب اس میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب، متہم بالوضع راوی موجود ہو اور پندرہ امور مذکورہ سے بھی کوئی اسمیں ہو۔

راوی مجہول، مبہم، مجروح، کثیر الخطاء، متروک، منکر الحدیث، ہو تو حدیث موضوع نہیں ہوتی۔

(افادۂ یازدہم):11

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف صرف ایک خاص سند کے اعتبار سے کہا جاتا ہے، نہ کہ متن کے اعتبار سے، اور بعض اوقات ائمہ اس کی تصریح بھی فرما دیتے ہیں: جیسا کہ امام احمد نے **طلب العلم فریضۃ** کو کذب فرمایا: تو اس کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا:

''یعنی بھذا الاسناد والا فالمتن لہ طرق ضعیفۃ''

یعنی صرف اس سند کے اعتبار سے کذب ہے ورنہ یہ متن کئی ضعیف سندوں سے ثابت ہے۔

❀❀

اسی طرح حدیث ''صلاة بسواك خير من سبعين صلاة بغير سواك''(مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستر نمازوں سے بہتر ہے۔

ابن عبدالبر نے تمہید میں ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ''انه حديث باطل'' کہ یہ باطل حدیث ہے۔

اس پر امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں فرمایا:

''هو بالنسبة لما وقع له من طرقه'' کہ یہ اس سند کے اعتبار سے ہے جو انہیں پہنچی ہے۔ ورنہ اس کو ابونعیم نے دو جید وصحیح سندوں سے نقل کیا، امام ضیاء نے صحیح مختارہ میں، امام حاکم نے مستدرک میں شرط صحیح کی سند کیساتھ اور بہت سے محدثین نے کثیر سندوں سے کثیر صحابہ سے اسے نقل کیا ہے۔ لہذا اس حدیث کو باطل کہنا تو کجا یہ ضعیف بھی نہیں، کم از کم حسن ہے۔

مذکورہ بالا گیارہ افادات کا نتیجہ:۔

ان گیارہ افادات سے واضح ہوا کہ احادیث تقبیل ابہامین کو موضوع و باطل کہنا درست نہیں، کیونکہ پندرہ عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی امر ہے، اور اسکا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب راوی پر بھی نہیں۔ اور محدثین کے قول'' لایصح'' بھی مستلزمِ وضع نہیں ہے تو پھر یہ کیونکہ موضوع ہوگی۔

(افادۂ دوازدہم):12

حدیث ضعیف کی قوت کے اسباب:۔

تعدد طرق سے قوت حاصل کر کے ضعیف حدیث درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

جیسا کہ مرقاۃ میں ہے

''تعدد الطرق يبلغ الحديث الضعيف الى حد الحسن''

اسی طرح موضوعات میں ہے

''تعدد الطرق ولو ضعفت يرقى الحديث الى الحسن''

اسی طرح تعقبات میں امام سیوطی نے فرمایا:

''المتروك او المنكر اذا تعددت طرقه ارتقى الى درجة الضعيف الغريب، بل ربما ارتقى الى الحسن''

یعنی متروک یا منکر کے جب طرق متعدد ہو جائیں تو ضعیف غریب کے درجہ تک، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کر جاتی ہے۔

(افادۂ سیز دہم):13

حدیث مجہول ومبہم بھی تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے، اور جابر و منجبر ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

جیسے ابن جوزی نے حدیث:

''لیث عن مجاهد عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من ولد له ثلثة اولاد فلم یسم احدهم محمدا فقد جهل (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: جس کے تین بیٹے ہوں اور کسی کا نام محمد نہ رکھا تو اس نے جہالت سے کام لیا)'' پر طعن کیا کہ ''لیث'' کو امام احمد نے متروک کہا ہے اور ابن حبان نے مختلط کہا ہے۔

تو امام سیوطی نے اسکا شاہد بروایت نضر بن شفقی مرسلاً مسند حارث سے نقل کیا، باوجود یکہ ابن قطان سے نضر کا مجہول ہونا نقل کیا، لیکن فرمایا:

''هذا المرسل یعضد حدیث ابن عباس ویدخله فی قسم المقبول''

یہ مرسل ابن عباس کی حدیث کی تائید کرے گی اور اسے قسمِ مقبول میں داخل کرے گی۔

(افادہ چہاردہم):14

حصول قوت کیلئے زیادہ طرق کی حاجت نہیں، صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں۔ ایک مثال تو ابھی افادہ سیز دہم میں گزری، نیز تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی میں ہے ''ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنه یقوی بوروده من طریقین''

کہ حدیث ''اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة (بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ یہ جنتی جانور ہے)'' تو عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے مگر دو سندوں سے قوت پا گئی ہے۔

(افادۂ پانزدہم):15

اہل علم کے عمل سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث کے متعلق امام ترمذی نے کہا ''هذا حدیث غریب والعمل علی هذا عند اهل العلم (یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کے نزدیک عمل اسی پر ہے)''

اس پر امام نووی نے کہا:

''واسنادہ ضعیف، فکأن الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم'' کہ اسکی سند ضعیف ہے، تو گویا امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں۔

اسی طرح سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پہنچی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اسکی مغفرت ہوگی اور جس کیلئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہوگی۔ تو میں نے ۷۰ ہزار مرتبہ پڑھا اور کسی کی نیت نہ کی، وہاں ایک صاحب کشف شخص سے ملاقات ہوئی جو کھانا کھاتے رونے لگ گئے، میں نے سبب پوچھا، تو بتایا کہ میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو دے دیا تو وہ فوراً ہنسنے لگے اور کہا کہ اب میں انہیں اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ ابن عربی فرماتے ہیں میں نے اس حدیث کی صحت اس کے کشف سے پہچانی۔

اور اسی حدیث پر امام سیوطی نے بیہقی کا قول نقل کیا:

''تداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلك تقویۃ للحدیث المرفوع'' یعنی اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔

(افادۂ شانزدہم):16

ہر جگہ ایک ہی درجہ کا ثبوت درکار نہیں ہوتا، بعض تو ایسی جگہیں ہیں (جیسے اعتقادات) کہ وہاں جب تک حدیث مشہور یا متواتر نہ ہو تو عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، احاد کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو اس جگہ کام نہیں دیتی۔ جیسا کہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا:

''خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الا الظن ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات''

یعنی خبر واحد اگر چہ تمام شرائطِ صحت کو جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور اعتقادت میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں۔

احکام میں ضعیف کافی نہیں، بابِ احکام میں اگر چہ اتنی قوت درکار نہیں جتنی کہ باب اعتقاد میں درکار ہے لیکن حدیث کا صحیح لذاتہ، یا لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم از کم لغیرہ ہونا ضروری ہے۔

فضائل ومناقب میں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔ جیسا کہ ابو طالب مکی قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب

میں فرماتے ہیں:

''الاحاديث فی فضائل الاعمال و تفضيل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطيعها ومراسيلها لا تعارض، کذلك کان السلف يفعلون''

یعنی فضائل اعمال وتفضیل اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول ومأخوذ ہیں، مقطوع ہو یا مرسل، نہ انکی مخالفت کی جائے اور نہ رد، سلف کا یہی طریقہ ہے۔

اسی طرح امام نووی نے الاربعین میں فرمایا:

''قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الاعمال''

اسی طرح فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق نے فرمایا:

''الضعيف غير الموضوع يعمل به فی فضائل الاعمال''

اسی طرح علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں فرمایا:

''وممن نقل عنه ذلك ابن حنبل وابن مهدی وابن مبارك قالوا اذا روينا فی الحلال والحرام شددنا واذا روينا فی الفضائل ونحوها تساهلنا''

یعنی امام احمد بن حنبل، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم سے تصریح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں تو سختی کرتے ہیں، اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی کرتے ہیں۔

(افادۂ ہفدہم):17

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جیسا کہ ''کتاب الاذکار من کلام سید الابرار'' میں شیخ الاسلام ابوزکریا فرماتے ہیں:

''قال العلماء من المحدثين والفقهاء و غيرهم يجوز و يستحب العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا''

یعنی محدثین وفقہاء وغیرھم علماء نے فرمایا: کہ فضائل، ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل مستحب ہے جب تک کہ وہ موضوع نہ ہو۔

یہی بات محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں، محقق جلال الدین دوانی نے انموذج العلوم میں اور ملا علی قاری نے موضوعات

کبیر میں کہی ہے۔

جب ایک ایسا راوی جس کا کذب یقینی نہیں، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک بات کی خبر دیتا ہے، اور اس میں کتاب وسنت واجماع امت کی کچھ مخالفت نہیں تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

(افادۂ ہیجد ہم):18

احادیث سے ثابت ہے کہ ضعیف پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر بندہ اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت پر یقین کر کے عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ اجر عطا فرمادیں گے۔

جیسا کہ حسن بن عرفہ نے اپنے جز میں، ابوالشیخ نے مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، دارقطنی نے کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، ابن حبان اور ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں اور ابن عدی نے الکامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''من بلغه عن الله عزوجل شئی فیه فضیلة فاخذ به ایمانابه ورجاء ثوابه اعطاه الله تعالیٰ ذلك وان لم یکن کذلك''

یعنی جسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے، وہ اپنے یقین اور اسکے ثواب کی امید سے اس پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطا فرمائے گا اگرچہ وہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں:

''اعطاه الله ذلك الثواب وان لم یکن مابلغه حقا
(اللہ تعالیٰ اسے وہ ثواب دے گا اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی ہے حق نہ ہو)''

ابن حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہے:

''کان منی اولم یکن (چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو)''

امام احمد وابن ماجہ وعقیلی سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

کہ حضور پرنور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:''

مَا جَاءَكُمْ عَنِّي مِنْ خَيْرٍ قُلْتُهُ، أَوْلَمْ أَقُلْهُ، فَأَنَا أَقُولُهُ، وَمَا أَتَاكُمْ مِنْ شَرٍّ، فَإِنِّي لَا أَقُولُ الشَّرَّ

(تمہیں میری طرف سے جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے کہی یا نہ کہی ہو: میں اسے کہتا ہوں، اور تمہیں میری طرف سے جس بری بات کی خبر پہنچے تو میں بری بات نہیں کہتا)''

ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں:

''مَا قِيلَ مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَأَنَا قُلْتُهُ"

(جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے کہی ہے)''

عقیلی کی روایت یوں ہے:

''خذوا به حدثت به او لم احدث به (اس پر عمل کرو، چاہے وہ میں نے کہی ہو یا نہ کہی ہو)''

خلعی اپنے فوائد میں حمزہ بن عبدالحمید رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی ہے:

''میں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں حطیمِ کعبہ معظّمہ میں دیکھا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میرے باپ آپ پر قربان، ہمیں آپ سے حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''من سمع حديثا فيه ثواب فعمل بذلك الحديث رجاء ذلك الثواب اعطاه الله ذلك الثواب وان كان الحديث باطلا

(جو شخص کوئی ایسی حدیث سنے جس میں ثواب کا ذکر ہو اور وہ اس حدیث پر بامید ثواب عمل کرے تو اللہ عزوجل اسے وہ ثواب عطا کرے گا، اگرچہ حدیث باطل ہو)''

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اى ورب هذه البلدة انه لمنى وانا قلته'' ہاں، اس شہر کے رب کی قسم، یہ حدیث مجھ سے ہے اور میں نے یہ کہا ہے۔

ابویعلیٰ اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ بَلَغَهُ عَنِ اللهِ فَضِيلَةٌ فَلَمْ يُصَدِّقْ بِهَا لَمْ يَنَلْهَا'' جسے کوئی فضیلت کی بات پہنچے وہ اسے نہ مانے تو اس فضل سے محروم ہوگا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جس بندے کو کوئی فضیلت والے عمل کی خبر پہنچے اسے چاہیے نیک نیتی سے اس پر عمل کرے صحتِ حدیث کی تحقیق میں نہ پڑے اس حسن نیت سے اس کو فائدہ ہوگا، ان شاء اللہ اس کو وہ فضیلت اور نفع حاصل ہوگا، اور

اس نفع اور فضیلت کے ملنے کی وجہ خوب واضح ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندے کیساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتا ہے جیسا کہ متفق علیہ حدیث ہے:

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

''انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندے کیساتھ وہی کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے)''

اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''فلیظن بی ماشاء (اب جیسا چاہے مجھ پر گمان کرے)''

تیسری حدیث کے الفاظ میں یہ زیادتی ہے

''إِنْ ظَنَّ بِي خَيْرًا فَلَهُ، وَإِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهُ (اگر اچھا گمان کرے گا تو اس کیلئے اچھائی ہے اگر برا گمان کرے گا تو اس کیلئے برائی ہے)''

(افادۂ نوزدہم):19

عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف معتبر ہے، کیونکہ ''فان الکذوب قد یصدق (بڑا جھوٹا بھی سچ بول لیتا ہے)'' تو کیا معلوم کہ اس نے حدیث ٹھیک روایت کی ہو۔

جیسا کہ مقدمہ ابن صلاح میں ہے:

''محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح کہتے ہیں تو فی الواقع کذب پر یقین نہیں ہوتا اس لیے کہ حدیث غیر صحیح کبھی نفس الامر میں سچی ہوتی ہے اور لم یصح سے محدثین سے صرف مراد یہ ہے اس کی سند اس شرط پر نہیں جو محدثین نے صحت کیلئے مقرر کی ہے''

تو جب صدق کا احتمال موجود ہے تو عقلمند انسان کو چاہیے کہ امید نفع کیساتھ وہ کام کرے، سند میں نقصان دیکھ کر اس پر عمل نہ کرنا عقلمندی نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے وہ بات سچی ہو اور اپنے آپ کو فضیلت سے محروم کرلے، اگر بالفرض جھوٹی بھی ہوئی تو اسمیں نقصان تو کوئی نہیں ہے بلکہ اسے نیک نیتی کا اچھا پھل تو ضرور ملے گا۔

جبکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ ضعیف واقع میں صحیح ہو اور صحیح واقع میں ضعیف ہو۔

جیسا کہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ان وصف الحسن والصحیح والضعیف انما ھو باعتبار السند ظنا امافی الواقع فیجوز

غلط الصحیح وصحۃ الضعیف۔

حدیث کوحسن یا صحیح یا ضعیف کہنا صرف سند کے لحاظ سے ظنی طور پر ہے لیکن واقع میں جائز ہے کہ صحیح غلط ہو اور ضعیف صحیح ہو۔

افادہ ہذا میں اعلیٰ حضرت نے ضمنا ایک اور فائدہ بھی بیان کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا کلام تقریبا بلفظہ ہی نقل کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو؛

اقول

(احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف ونامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارہم الجمیلہ انہیں مقبول ومعتمد بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اوران کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبرو دفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعث طعن ووقعیت وجرح واہانت ہوجاتے، حالانکہ العظمۃ للہ وعباد اللہ ان طاعنین سے بدرجہا اتقی اللہ واعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے تھے) تھے۔

ولکن کل حزب بمالدیہم فرحون وربك اعلم بالمهتدین (القرآن) اور ہر ایک گروہ اپنے موجود پر خوش ہے اور تیرا رب ہدایت یافتہ کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

المیز ان الکبری میں حدیث:

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔)

کی نسبت فرماتے ہیں: ھذا الحدیث وان کان فیه مقال عندالمحدثین فهو صحیح عند اهل الکشف اس حدیث میں اگرچہ محدثین کو گفتگو ہے مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

کشف الغمہ عن جمیع الامہ میں ارشاد فرمایا:

"کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من صلی علی طھر قلبہ من النفاق، کمایطھر الثوب بالماء، وکان صلی اللہ تعالیٰ یقول من قال صلی اللہ علی محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من الرحمۃ، والقی اللہ محبتہ فی قلوب الناس فلا یبغضہ الامن فی قلبہ نفاق، قال شیخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھذا الحدیث والذی قبلہ رویناھما عن بعض العارفین عن الخضر علیہ الصلاۃ والسلام عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھما عندنا صحیحان فی اعلیٰ درجات الصحۃ وان لم یثبتھما المحدثون علی مقتضی اصطلاحھم"

حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہوجائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے جو صلی اللہ علی محمد کہے اس نے سترہ ۱۷ دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبّت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس نے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اوراس سے پہلی ہم نے بعض اولیاء سے روایت کی ہیں انہوں نے سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، اُنہوں نے حضور پُرنور سید الانام علیہ افضل الصّلاۃ واکمل السلام سے یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اگرچہ محدثین اپنی اصطلاح کی بنا پر اُنہیں ثابت نہ کہیں۔

نیز میزان شریف میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز سے نقل فرماتے ہیں:

"کمایقال عن جمیع مارواہ المحدثون بالسند الصحیح المتصل ینتھی سندہ الی حضرت الحق جل وعلا فکذٰلک یقال فیما نقلہ اھل الکشف الصحیح من علم الحقیقۃ"

جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ محدثین نے سند صحیح متصل سے روایت کیا اس کی سند حضرت الٰہی عزوجل تک پہنچتی ہے یونہی جو کچھ علم حقیقت سے صحیح کشف والوں نے نقل فرمایا اُس کے حق میں یہی کہا جائے گا۔

بالجملہ اولیا کے لئے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع وعلٰی ہے ولہذا حضرت سیدی ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے:

"قداخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت نقله سیدی الامام الشعرانی فی کتابه المبارك الفاخر الیواقیت والجواهر اٰخر المبحث السابع والاربعین۔"

تم نے اپنا علم سلسلہ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لایموت سے لیا ہے۔ اسے سیدی امام شعرانی نے اپنی مبارک اور عظیم کتاب الیواقیت والجواہر کی سینتالیس بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

حضرت سیدی امام المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طور علم پر ضعیف مانی گئی تھیں۔

"کماذکرہ فی باب الثالث والسبعین من الفتوحات المکیة الشریفة الالٰهیة الملکیة ونقله فی الیواقیت هنا۔"

جیسا کہ انہوں نے فتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰہیۃ الملکیۃ کے تیرھویں باب میں ذکر کیا اور الیواقیت میں اس مقام (الیواقیت والجواہر: باب الثالث والسابع والاربعین) پر اسے نقل کیا ہے۔

اسی طرح خاتم حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملّۃ والدّین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتر ۷۵ بار بیداری میں جمالِ جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم بہرہ ور ہُوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث جو کہ طریقِ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں ان کی تصحیح فرمائی جس کا بیان عارف ربانی امام العلامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ہے **من شاء فلیتشرف بمطالعة** (جو اس کی تفصیل چاہتا ہے میزان کا مطالعہ کرے۔ت)

یہ نفیس وجلیل فائدہ کہ بمناسبت مقام بحمد اللہ تعالٰی نفع رسانی برادرانِ دین کے لئے حوالہ قلم ہوا لوحِ دل پر نقش کر لینا چاہے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم (فتاوی رضویہ ص 491 تا 494)

(افادہ بستم):20

ضعیف حدیث احکام میں بھی قبول ہے، جبکہ عمل کرنے میں احتیاط ہو جیسا کہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا ہے:

"اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلك فلایعمل

فیھا الا بالحدیث الصحیح اوالحسن الاان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذلك كما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھۃ بعض البیوع او الا نکحۃ فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن لایجب"

یعنی محدثین وفقہاوغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال وحرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہ احکام کے متعلق صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پرعمل کیا جائیگا مگران مواقع میں اگرکسی بات میں احتیاط ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچا جائے: ہاں بچناواجب نہیں۔

ایسے ہی امام سیوطی نے تدریب الراوی میں فرمایا:

''ویعمل بالضعیف ایضافی الاحکام اذا کان فیہ احتیاط (احکام میں بھی ضعیف حدیث پرعمل کیا جائے گا جبکہ اس میں احتیاط ہو)''

اورایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''دع ما یریبك الی ما یریبك (جس میں شبہ ہو اسے چھوڑ کر ایسے کام کیطرف آؤ جس میں شبہ نہ ہو)''

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ، اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ، وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ

(جوشبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کر لی اور جوشبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسے رمنے کے گرد چکر لگانے والا قریب ہے کہ رمنے کے اندر چلا جائے، خبردار ہر بادشاہ کا ایک رمنا ہے اور اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائی ہیں)''

ایک ضعیف حدیث میں بدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت وارد ہوئی ہے

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ السَّبْتِ أَوِ الْأَرْبِعَاءِ فَأَصَابَهُ برص فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ

(جو بندہ بدھ یا ہفتے کو پچھنے لگوائے سو وہ برص میں مبتلا ہو جائے تو اپنے آپ کو ہی ملامت کرے)''

تو

''مُحَمَّد بْن جَعْفَر بْن مَطر النَّيْسابوريّ قَالَ قُلْتُ يَوْمًا إِن هَذَا الْحَدِيث لَيْسَ بِصَحِيح فافتصدت يَوْم الْأَرْبَعَاء فَأَصَابَنِي البرص فَرَأَيْت رَسُول الله فِي النّوم فشكوت إِلَيْهِ حَالي فَقَالَ إياك والاستهانة بحديثي فَقلت تبت يَا رَسُول الله فانتبهت وَقد عافاني الله وَذهب ذَلِكَ عني

(محمد بن جعفر ایک دن کہنے لگا یہ حدیث تو صحیح نہیں، لہذا میں نے بدھ کو پچھنے لگوا لیے، تو مجھے برص کا مرض لگ گیا، میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے اپنے حال کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: میری حدیث کو ہلکا لینے سے بچو، میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے توبہ کی، پس میں بیدار ہوا، اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کیا اور میرے مرض کو دور کر دیا)'' اس قسم کے واقعات کتب معتبرہ میں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کو ہلکا لینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

(افادۂ بست ویکم):21

اگر کسی فعل کیلئے محلِ فضائل میں استحباب یا محل احتیاط میں تنزہ ثابت کرنا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث بھی ہو بلکہ صرف ضعیف حدیث سے ہی استحباب یا تنزہ ثابت ہو جائے گا۔ جیسا کہ پیچھے تصریحات گذری ہیں کہ ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔

(افادۂ بست دوم):22

بعض متکلمینِ طائفہ جدیدہ کا جو یہ زعم ہے کہ ان احادیث سے جوازِ تقبیلِ ابہامین پر دلیل لانا یہ ان احادیث کو احکامِ حلال وحرام میں حجت بنانا ہے۔ اور اس درجہ کی احادیث کو احکامِ حلال وحرام میں حجت بنانا بتصریح علماء ناجائز ہے۔

یہ خلطِ مبحث میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

احادیثِ ضعیفہ صرف اور صرف فضائل اعمال میں استحباب یا محل احتیاط میں کراہت تنزیہہ پر سند ہیں، احادیثِ ضعیفہ احکام میں حجت اور مثبتِ حلال وحرام نہیں، فضائل اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط کراہت تنزیہیہ پر استناد کرنا اسے احکام میں حجت بنانا نہیں ہے اور ہم صرف اور صرف استحباب پر سند بنا رہے ہیں۔ جب جمہور کے نزدیک فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف قابلِ عمل ہے تو کسی فعل کی اباحت قائم رکھنا بدرجہ اولیٰ حدیثِ ضعیف سے ثابت ہو سکتا ہے۔

(افادۂ بست وسوم):23

فضائل اعمال میں ضعیف احادیث (دون الموضوع) اکثر کتب میں موجود ہیں کیونکہ حلال وحرام کے متعلق احادیث میں زیادہ احتیاط کی جاتی ہے جیسا کہ علامہ حلبی کی سیرۃ الانسان العیون میں ہے

:قدقال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذارویناً فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا

امام احمد اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو شدت کرتے ہیں اور جب ہم فضائل وغیرہ کے بارے میں روایات لاتے ہیں تو ان میں نرمی برتتے ہیں۔

ایسے ہی زرقانی شرح مواہب میں ہے :

عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد مالم یکن موضوعا (محدثین کی عادت ہے کہ غیر احکام وعقائد میں تساہل کرتے ہیں اس میں جو موضوع نہ ہو)

جمہور علماء کے کلام کا مطالعہ کیجئے تو قابلیتِ عمل کیلئے صرف اتنا فرماتے ہیں:

غیر الموضوع ، دون الموضوع ، ماسوی الموضوع ، الذی لیس بموضوع ، مالم یکن موضوعا ہوتو قابلِ عمل ہے۔

بلکہ ائمہ کے کلام میں ان کے ضعف کو بیان کرنے کے باوجود ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔جیسا کہ علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع الصغیر میں حدیث

''الدیك الابیض صدیقی وصدیق صدیقی وعدو عدوالله وکان رسول الله ﷺ یبیته معه فی البیت (مرغ سپید میرا خیر خواہ اور میرے دوست کا خیر خواہ ، اللہ کے دشمن کا دشمن ہے، نبی کریم ﷺ اسے رات کو مکان خوابگاہ اقدس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے)'' کے متعلق یہ فرمانے کے باوجود کہ''باسنادہ فیه کذاب'' یہ فرماتے ہیں:''فیندب لنا فعل ذلك تأسیا به'' کہ ہمارے لیے باقتدائے حضور ﷺ مرغ سپید کو اپنی خوابگاہ میں رکھنا مستحب ہے۔

اسی طرح وضو کے بعد''انا انزلنا'' کی پڑھنے کی احادیث کا ضعف شدید ہے، سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسے بے اصل کہا جبکہ امام جلیل ابواللیث سمرقندی نے انہیں ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا: تو انہوں نے فرمایا: کہ

فضائل اعمال میں ضعاف پر عمل جائز ہے۔

اسی طرح شیخ محقق شرح صراط مستقیم میں فرماتے ہیں:

''محدثین نے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی حدیث میں ضعف کی وجہ رواۃ کا سوء حفظ یا تدلیس ہو جبکہ صدق و دیانت موجود ہو تو یہ کمی تعدد طرق سے پوری ہوجاتی ہے اور اگر ضعف نہایت قوی ہو جس کا ازالہ تعدد طرق سے بھی پورا نہ ہو تو حدیث ضعیف پر ضعیف کا ہی حکم ہوگا اور ضعیف حدیث فضائل اعمال ہے معمول بہ ہے''

(افادہ بست و چہارم):24

کسی حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت وضعفِ شدید تو در کنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کا یہ قول:

''ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ و عمل میں استدلال کیا جاسکے)''

لیکر

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ طبقہ رابعہ کی کتب حدیث کی تمام احادیث ساقط، موضوع اور باطل ہیں اور فضائل اعمال میں بھی انکی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ صرف اور صرف شاہ عبدالعزیز کے قول کا مطلب یہ ہے: بوجہ اختلاط وعدم بیانِ صحت وضعف ہر حدیث میں احتمال ضعف ہے لہذا غیر ناقد کو کلماتِ ناقدین کا مطالعہ کیے بغیر اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج نہیں پہنچتا

فائدہ:

اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادہ کو سمجھنے سے پہلے شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ طبقات کتب حدیث کی تقسیم ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے عجالہ نافعہ میں کتب حدیث کو چند طبقات میں تقسیم کیا ہے:

(پہلا طبقہ)

اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں:۔ مؤطا امام مالک۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم

(دوسرا طبقہ)

اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں جن کی حدیثیں تین صفات (صحت، شہرت اور قبولیت) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہیں، لیکن مذکورہ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامعِ ترمذی، سننِ ابی داؤد اور سننِ نسائی کی حدیثیں، کہ ان کے مؤلفین کا وثوق، عدالت، حفظ وضبط اور فنونِ حدیث میں تبحُّر مشہور ہے اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہُل اور تسامُح کو ہرگز مناسب نہیں رکھا ہے اور ان چھ کتابوں کو صحاحِ ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک ''مسندِ احمد'' دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور وہی صحیح حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے اور کس کی اصل نہیں ہے، اگر چہ مسند احمد میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں جن کا حال بیان نہیں کیا ہے تاہم جو ضعیف حدیثیں مسند میں پائی جاتی ہیں وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، علمائے حدیث وفقہ نے ان کو اپنا پیشوا بنایا ہے اور مسند فنِ حدیث میں ایک رکنِ عظیم ہے۔

اسی طرح سننِ ابنِ ماجہ، گو اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں مگر اس کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

(تیسرا طبقہ)

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنھیں علمائے متقدمین نے جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو ان کے معاصر تھے یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں، اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور نہ ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ سکی ہیں، اگر چہ ان کتابوں کے مؤلفین علومِ حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے اور ضبط وعدالت کی صفات سے متصف تھے، ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان میں بعض حدیثیں ایسی بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کی تہمت ہے۔

ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مسندِ شافعی، سننِ ابنِ ماجہ، مسندِ دارمی، مسندِ ابی یعلی موصلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسندِ عبد ابن حمید، مسندِ ابوداؤد طیالسی، سننِ دارقطنی، صحیح ابنِ حبان، مستدرک حاکم، کتبِ بیہقی، کتبِ طحاوی، تصانیفِ طبرانی۔

(چوتھا طبقہ)

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرونِ اولیٰ (دورِ صحابہ وتابعین) میں نام ونشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء

نے ان حدیثوں کونقل کیا ہے، اب ان کے بارے میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو سلفِ صالحین نے ان کوتلاش کیا ہے اور انھیں ان کی کوئی اصل نہیں ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے، یا ان کی اصل تو پائی گئی لیکن ان میں علّت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہرحال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں پر سے اعتماد اُٹھ گیا اور وہ اس قابل نہیں رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کیلئے انھیں دلیل بنایا جائے۔

اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔

چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

ابنِ حبان کی کتاب الضعفاء، تصانیفِ حاکم، عُقیلی کی کتاب الضعفاء، ابن عدی کی کتاب الکامل، تصانیفِ ابن مردویہ، تصانیفِ خطیب، تصانیفِ ابنِ شاہین، تفسیرِ ابن جریر، فردوس دیلمی بلکہ اس کی تمام تصانیف، تصانیفِ ابی نعیم، تصانیفِ جوزقانی، تصانیفِ ابن عساکر، تصانیفِ ابوالشیخ اور تصانیفِ ابنِ نجّار۔

مناقب کے بیان میں اکثر حدیثیں گڑھی گئی ہیں اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح اسبابِ نزول کے بیان میں، تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور انبیائے سابقین کے قصوں میں، شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزوں اور حیوانات کے تذکرہ میں زیادہ تر احادیث موضوع ہیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے متعدد وجوہ سے شاہ عبدالعزیز کی اس عبارت کا وہ مطلب جو فریق مخالف لینا چاہتا ہے اسکا رد کیا ہے۔

(اوّلاً)

خود شاہ صاحب اثباتِ عقیدہ وعمل کا انکار فرما رہے ہیں اور وہ فضائل اعمال میں تمسک کے منافی نہیں، ہم افادہ ۲۲ میں روشن کر آئے کہ دربارہ فضائل کسی حدیث ضعیف سے استناد کسی عقیدہ یا عمل کا اثبات نہیں، تو شاہ صاحب کے قول کا ہمارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

(ثانیا)

تصانیف خطیب وابونعیم بھی طبقہ رابعہ میں ہیں اور شاہ صاحب بُستان المحدثین میں امام ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں: ''از نوادر کُتب او کتاب حلیۃ الاولیاست کہ نظیر آں در اسلام تصنیف نشدہ (ان کی تصانیف میں سے حلیۃ الاولیا ایسے نوادرات میں سے ہے جس کی مثل اسلام میں آج تک کوئی کتاب تصنیف نہ ہوئی)''

ایسے ہی خطیب کی ''کتاب العلم والعمل'' کے متعلق فرماتے ہیں:

''کتاب اقتضاء العلم والعمل از تصانیف خطیب است بسیار خوب کتابی است در بار خود (خطیب بغدادی کی کتب میں اقتضاء العلم والعمل اپنے فن میں بہت سی خُوبیوں کی حامل ہے)''

اسی طرح بستان المحدثین میں شاہ عبد العزیز صاحب نے خطیب کی تصانیف کے متعلق لکھا: ''**التصانیف المفیدۃ التی ھی بضاعۃ المحدثین وعروتھم فی فھم** (فائدہ بخش تصانیف جوفن حدیث میں محدثین کے بضاعت ومحل تمسک ہیں)''

(ثالثًا)

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب کے والدگرامی طبقہ رابعہ کی نسبت لکھتے ہیں: ''**اصلح ھذہ الطبعۃ ماکان ضعیفا محتملا** (یعنی اس طبقہ کی احادیث میں صالح تر وہ حدیثیں ہیں جو ضعیف وقابل تحمل ہیں۔)''

(رابعًا)

شاہ صاحب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں فرماتے ہیں:

''چوں نوبت علم حدیث بطبقہ دیلمی وخطیب وابن عساکر رسید ایں عزیزاں دیدند کہ احادیث صحاح وحسان را متقدمین مضبوط کردہ اند پس مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ ومقلوبہ کہ سلف آنرا دیدہ ودانستہ گزاشتہ بودند وغرض ایشاں ازیں جمع آں بود کہ بعد جمع حفاظ محدثین دراں احادیث تامل کنند وموضوعات را از حسان لغیرہا ممتاز نمایند''

(جب علمِ حدیث دیلمی، خطیب اور ابنِ عساکر کے طبقہ تک پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ مقتدمین علماء نے ایسی احادیث جو صحیح اور حسن تھیں کو محفوظ کر دیا ہے لہذا انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جو ضعیفہ ومقلوبہ تھیں جنہیں اسلاف نے عمدًا ترک کیا تھا ان کے جمع کرنے سے غرض یہ تھی کہ حفاظ محدثین ان میں غور تأمل کر کے موضوعات کو حسن لغیرہ سے ممتاز کر دیں۔)''

شاہ صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ طبقہ رابعہ کی کتب میں صرف ضعیف محتمل ہی نہیں بلکہ حسن لغیرہ بھی موجود ہیں اور وہ نہ صرف فضائل میں بلکہ احکام میں بھی حجت ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(خامساً)

شاہ صاحب نے سنن ابی داؤد وترمذی ونسائی کو طبقہ ثانیہ اور مصنف عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ ومسند ابی داؤد طیالسی وتصانیف بیہقی وطبرانی کو طبقہ ثالثہ اور کتب ابونعیم کو طبقہ رابعہ میں گنا، جبکہ امام جلیل جلال الدین سیوطی خطبہ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں:

''رمزت للبخاری خ ولمسلم م ولابن حبان حب وللحاکم فی المستدرك ك وللضیاء فی المختارۃ ض وجمیع مافی ھذہ الکتب الخمسۃ صحیح سوی مافی المستدرك من المتعقب فائبہ علیہ،ورمزت لابی داؤد د فماسکت عہ علیہ فھو صالح ومابین ضعفہ لقلتہ عنہ،وللترمذی ت وانقل کلامہ علی الحدیث وللنسائی ن ولابن ماجۃ ہ ولابی داؤد الطیالسی ط ولاحمد حم ولعبدالرزاق عب ولابن ابی شیبۃ ش ولابی یعلی ع وللطبرانی فی الکبیر طب والاوسط طس وفی الصغیر طص ولابی نعیم فی الحلیۃ حل وللبھیقی ق ولہ فی شعب الایمان ھب وھذہ فیھا الصحیح والحسن والضعیف فابینہ غالبا

(میں نے حوالہ جات کے لئے یہ رموز وضع کیے ہیں

،خ سے بخاری،م سے مسلم،حب سے ابنِ حبان،ک سے مستدرک حاکم،ض سے مختارہ للضیاء،ان پانچوں کتب میں صحیح احادیث ہیں ماسوائے حاکم کے جن پر اعتراض کیا گیا ہے اس پر توجہ رکھ،د سے ابوداؤد جس پر وہ خاموش رہیں وہ صالح ہے اور جس کا ضعف انہوں نے بیان کیا ہے میں نے اسے نقل کردیا ہے،ت سے ترمذی میں ان کا حدیث پر تبصرہ بھی نقل کروں گا،ن سے نسائی،ہ سے ابن ماجہ،ط سے ابوداؤد طیالسی،حم سے احمد،عب سے عبدالرزاق،ش سے ابن ابی شیبہ ع سے ابویعلی،طب سے طبرانی کی معجم کبیر،طس سے معجم اوسط،طص سے معجم صغیر،حل سے حلیہ ابونعیم،ق سے سنن بیہقی،ھب سے شعب الایمان للبیہقی مراد ہوگا،ان تمام کتب میں احادیث صحیح بھی ہیں حسن اور ضعیف بھی اور میں اکثر طور پر ان کے بارے میں نشاندہی بھی کروں گا۔)''

خاتم الحفاظ نے تو طبقات ثانیہ وثالثہ ورابعہ سب کو ایک ہی مشق میں گنا ہے،اور سب پر یہی حکم لگایا ان میں صحیح،حسن اور ضعیف ہیں۔

❁❁

(سادساً)

خود جناب شاہ صاحب نے اپنی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثنا عشریہ وغیرہما میں جابجا احادیث طبقہ رابعہ سے استناد فرمایا ہے، تفسیر عزیزی سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ہے۔

''ابونعیم ودیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت ﷺ فرمودہ کہ فاتحہ الکتاب کفایت مے کند از انچہ ہیچ چیز از قرآن کفایت نمی کنند الحدیث

(ابونعیم اور دیلمی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاں قرآن کی دوسری سورۃ کفایت نہ کرے وہاں فاتحہ کفایت کرے گی۔)''

اسی طرح سورۃ اللیل کے آخر میں ہے۔

''حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت می کند کہ روزے بخدمت آنحضرت ﷺ حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے می آید کہ حق تعالیٰ بعد از من کسے را بہتر از و پیدا نکردہ است وشفاعت اُو روزِ قیامت مثل شفاعتِ پیغمبران باشد جابر گوید کہ مہلے نہ گزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر تشریف آوردند

(حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی ایک شخص آئے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر شخص اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا اس کی شفاعت روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔)''

اسی طرح تحفہ اثنا عشریہ میں ہے:

''در روایات شیعہ وسُنّی صحیح وثابت است کہ ایں امر خیلے بر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاق آمد وخود را بر در سرائے زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر آوردو امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ را شفیع خود ساخت تا آنکہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا از و خوشنود شد اما روایات اہلسنت پس در مدارج النبوۃ وکتاب الوفا وبیہقی وشروح مشکوہ

موجود است بلکہ در شرح مشکوٰۃ شیخ عبد الحق نوشۃ است کہ ابوبکر صدیق بعد
ازیں قصہ بخانہ فاطمہ رفت ودر گرمی آفتاب بفدر با باستاد عذر خواہی کرد وحضرت زہرا
ازو راضی شد

(شیعہ اور سُنّی دونوں کے ہاں روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوبکر پر نہایت شاق گزرا، لہذا آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر حاضر ہُوئے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفارشی بنایا تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوجائے، روایاتِ اہلسنت مدارج النبوۃ، الوفاء، بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں موجود ہیں بلکہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبد الحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے باہر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور معذرت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں)''

(سابعًا)

شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلا شُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں بر شرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس کہ شاہ صاحب کی تصانیف میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین میں تو مستدرک سے بکثرت احادیث موجود ہیں۔ اور شاہ صاحب نے خود بستان المحدثین میں مستدرک کی آدھی احادیث کو شرط بخاری ومسلم یا شرط بخاری یا شرط مسلم پر تسلیم کیا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار شرط ایں ہر دو بزرگ یافتہ میشود یا بشرط
یکے ازینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد، وبقدر ربع
کتاب از آں جنس است کہ بظاہر اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہر دو نیست
وبقدر ربع باقی واہیات ومناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست

(انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری ومسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریبًا نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور تقریبًا اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان دو (بخاری ومسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر ہیں، بلکہ بعض موضوع بھی ہیں۔

(افادۂ بست و پنجم):25

(کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں)

بیانِ احادیث موضوعہ میں جو کتب تالیف ہوئیں ہیں وہ دوطرح کی ہیں۔

ایک وہ ہیں جن کے مصنفین نے خصوصا موضوعات کا ہی التزام کیا ہے:

جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیلِ جوزقانی وموضوعات صغانی۔ ان کتب میں موجود احادیث یقینا اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہیں جب تک صراحۃً موضوعیت کی نفی نہ کردی جائے۔

ایسی کتب کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہا جاسکتا ہے کہ جوبھی احادیث ان میں ہیں وہ سب موضوع ہیں اگر ان کے مصنفین ان کو موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے۔

پھر بھی اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ وہ احادیث بزعم مصنف موضوع ہیں۔ کیونکہ ان کتب میں فی الحقیقت بہت سی حسن اور صحیح احادیث بھی موجود ہیں بغیر دلیل کے اُن پر حکمِ وضع لگا دیا ہے، جیسا کہ التعقبات علی الموضوعات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

ابن الجوزی نے اورتو اورصرف صحاح ستہ ومسند امام احمد کی چوراسی ۸۴ حدیثوں کو موضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے: مسند امام احمد میں ۳۸، صحیح بخاری ومسلم میں ایک ایک، سنن ابی داؤد میں ۴، جامع ترمذی میں ۲۳، سنن نسائی میں ۱، سنن ابن ماجہ میں ۱۶۔

دوسری وہ ہیں جن میں نفسی الامری موضوعات کو وارد کرنا مقصد نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح مقصد ہے۔

جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی الآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعہ میں غرض یہی ہے جیسا کہ وہ اس کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعیف بل والحسن بل والصحیح کما نبہ علی ذلك الائمۃ الحفاظ وطال مااختلج فی ضمیری انتقاؤہ وانتقادہ فاورد الحدیث ثم اعقب بکلامہ ثم انکان متعقبا بنہت علیہ

(ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس

پر تنبیہ فرمائی، مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اور اُس کے حکم کو پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کر کے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہو گا وہ ذکر کروں گا۔)''

نتیجہ الافادات:

ان افادات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں اگر تعددِ طُرق وعملِ اہلِ علم سے متقوی نہ بھی ہوں تو حد درجہ یہ بات ہے کہ یہ احادیث ضعیف بضعفِ خفیف ہیں، اور فضائلِ اعمال میں باجماعِ علماء محدثین وفقہاء مقبول اور ثبوتِ استحبابِ عمل کے لئے کافی ہیں۔

(افادہ بست وششم):26

بالفرض اگر کسی جگہ ضعفِ سند اتنا شدید ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہُوئی ہے وہ علما وصلحا کے تجربہ میں آچکی تو علماء اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سند کذبِ واقعی کو مستلزم نہ تھی، جیسے امام حاکم نے بطریق عمر بن ہارون بلخی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز قضائے حاجت کیلئے ایک ترکیبِ عجیب مرفوعًا روایت کی جس کے آخر میں ہے:

''ولاتعلموها السفهاء فانه يدعون بها فيستجابون (بیوقوفوں کو یہ نماز سکھاؤ کہ وہ اس کے ذریعہ سے جو چاہیں گے مانگ بیٹھیں گے اور قبول ہو گی)''

اب اسکی سند میں عمر بن ہارون ایسا راوی ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے اسے عمر بن ہارون کو کس نے ''متروک الحدیث''، کسی نے ''متہم بالکذب''، کسی نے ''کذاب'' ہے اور امام یحیی بن معین جیسے جلیل القدر نقاد نے ''محض لاشیئ کذاب خبیث (بالکل کوئی شے نہیں کذاب وخبیث ہے)'' کہا۔

اس کے باوجود مستدرک میں ہے:

''قال احمد بن حرب قد جربته فوجدته حقا،وقال ابراهيم بن على الدّيبلى عدا قد جربته فوجدته حقا،وقال الحاكم قال لنا ابوزكريا قد جربته فوجدته حقا قال الحاكم قد جربته فوجدته حقا

(احمد بن حرب نے کہا: میں نے اس نماز کو آزمایا حق پایا، ابراہیم بن علی دیبلی نے کہا: میں نے آزمایا حق پایا، ابوزکریا نے کہا: میں نے آزمایا حق پایا، حاکم کہتے ہیں خود میں نے آزمایا تو حق پایا)'' اسی طرح اعلیحضرت علیہ الرحمہ فرماتے

ہیں:::اقول: بحمداللہ تعالٰی اس فقیر نے بھی کئی بار آزمایا حق پایا بعض قریب تر اعزّہ کو سخت ناسازی تھی طول ہوا یہاں تک کہ ایک روز حالت مثل نزع طاری ہوئی

سب رونے لگے فقیر مشغولِ نماز مذکور ہُوا پڑھ کر آیا تو عزیز مذکور بیٹھا باتیں کرتا پایا وللہ الحمد بیس ۲۰ سال ہونے کو آئے جب سے بحمداللہ فضلِ الٰہی ہے۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الاّ باللہ

افادۃً وہ حدیث نقل کی جاتی ہے۔

عَن ابْن مَسْعُود رَضِي الله عَنهُ عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ اثْنَتَيْ عشرَة رَكْعَة تصليهن من ليل أَو نَهَار وتتشهد بَين كل رَكْعَتَيْنِ فَإِذا تشهدت فِي آخر صَلَاتك فأثن على الله عز وَجل وصل على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم واقرأ وَأَنت ساجد فَاتِحَة الْكتاب سبع مَرَّات وَآيَة الْكُرْسِيّ سبع مَرَّات وَقل لَا إِلَه إِلَّا الله لَا شريك لَهُ لَهُ الْملك وَله الْحَمد وَهُوَ على كل شَيْء قدير عشر مَرَّات ثمَّ قل اللَّهُمَّ إِنِّي أَسأَلك بمعاقد الْعِزّ من عرشك ومنتهى الرَّحْمَة من كتابك واسمك الْأَعْظَم وجدك الْأَعْلَى وكلماتك التَّامَّة ثمَّ سل حَاجَتك ثمَّ ارْفَعْ رَأسك ثمَّ سلم يَمِينا وَشمَالًا وَلَا تعلموها السُّفَهَاء فَإِنَّهُم يدعونَ بهَا فيستجابون (الترغیب والترھیب: رقم الحدیث:1021)

(افادہ بست وہفتم):27

اگر کتب میں اصلاً اس کی سند مذکور نہ ہو، تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی کافی ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''بابی انت وامی یارسول الله (میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ)'' کے الفاظ سے ندا کرنا:

یہ حدیث امام ابومحمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی (متوفی ۴۶۶ھ) ''اقتباس الانوار والتماس الازہار'' میں اور ابوعبداللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی مالکی (متوفی ۷۳۷ھ) ''مدخل'' میں ذکر کی اور دونوں نے بلا سند ذکر کی، ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتا نہ پایا، کُتبِ حدیث میں اس حدیث کا اصلا نشان نہ ملا لیکن اس کے باوجود اسے کافی سمجھا کیونکہ یہ مقام مقامِ فضائل ہے۔ اس کی توصدہا نظیریں کتبِ علماء میں موجود ہیں، دور جانے کی ضرورت نہیں

،محدّث شاہ ولی اللہ صاحب کو ہی دیکھ لیں ب، جابجا اپنی تصانیف میں ایسی کتب کی حدیثوں سے استناد لاتے ہیں جو نہ کسی طبقہ حدیث میں داخل نہ اُن میں سند کا نام ونشان کہیں موجود ہے۔

(افادہ بست وہشتم):28

بالفرض حدیث موضوع اور باطل ہی ہو پھر بھی موضوعیتِ حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیثِ عدم، جس کا مطلب صرف یہ ہوا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہیں ہوا اسکا یہ مطلب نہیں کہ انکار ومنع وارد ہوا ہے، لہذا اصلِ فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعد شرع سے اسکی ممانعت ثابت ہو تو ممنوع ہوگا ورنہ اباحت اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن ومستحسن ہوجائے گا۔

جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں قولِ رملی ''واما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال'' کی تشریح میں فرمایا:

''ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعۃ واما لو کان داخلا فی اصل عام فلا مانع منہ لا لجعلہ حدیثا بل لدخولہ تحت الاصل العام

(یعنی جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہوا ُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ جب وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگر چہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی، یہ اس لئے نہیں کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہے۔)''

اسکی چند امثلہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام سخاوی مقاصدِ حسنہ میں فرماتے ہیں: ''حضرت حسن بصری قدس سرہ العزیز نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے خرقہ پہنا، اس حدیث سے صوفیا خرقہ پوشی ثابت کرتے ہیں،

امام ابن وحیہ وامام ابن الصحاح نے فرمایا باطل ہے،

ایسے ہی امام ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا: کہ اس کی کوئی سند ثابت نہیں، نہ کسی خبر صحیح نہ حسن نہ ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کسی کو خرقہ پہنایا یا اس کا حکم فرمایا جو کچھ اس بارہ میں صریح روایت کیا جاتا ہے سب موضوع ہے۔

پھر ائمہ حدیث تو حضرت حسن کا حضرت مولیٰ سے حدیث سُننا بھی ثابت نہیں مانتے، خرقہ تو بڑی دور کی بات ہے لیکن اس کے باوجود وہ اکابر ہیں جنھوں نے خود پہنا بھی ہے پہنایا بھی ہے

جیسے امام دمیاطی، امام ذہبی، امام شیخ الاسلام سیدنا ہکّاری، امام ابوحیان، امام علاء الدین علائی، امام مغلطائی، امام

عراقی، امام بن ملقن، امام ابناسی، امام برہان حلبی، امام بن ناصرالدین دمشقی، یہاں تک کہ میں نے خود ایک جماعت عمدہ متصوفین کوخرقہ پہنایا کیونکہ مشائخ کرام نے مجھ پر لازم فرمایا تھا یہاں تک کہ خاص کعبہ معظّمہ کے سامنے پہنایا، یہ سب کچھ حفّاظ معتمدین کی پیروی ہے جواُسے ثابت کر گئے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اسلاف احادیث خرقہ کو باطل ماننے کے باوجود، تبرک سمجھتے ہوئے خرقہ پہنتے بھی تھے پہناتے بھی تھے۔

(۲) علامہ طاہرفتنی آخر مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں: "یہ حدیث کہ جس نے پھُول سُونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اُس نے مجھ پر ظلم کیا، باطل وکذب ہے ایسی ہی وہ حدیث جوگلاب کاپھُول سُونگھنے میں آئی ہے، میں نے اپنے شیخ حضرت شیخ علی متقی مکّی قدس سرہ الملکی سے پوچھا کہ خوشبوسُونگھتے وقت درود پاک کی کچھ اصل ہے؟ انہوں نے جواب میں ہمارے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی اور عالم کا حوالہ دیا کہ ایسے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کی کچھ اصل نہیں تاہم ہمارے نزدیک اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔"

(۳) مولانا علی قاری علیہ الرحمہ نے موضوعاتِ کبیر میں فرمایا:

"احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلھا باطلۃ

(جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں فلاں فلاں عضو دھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔)"

لیکن اس کے باوجود فرمایا: "کہ یہ سمجھ کر کہ وضو کی دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں لہذا یہ پڑھنا مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں، یہ ٹھیک نہیں بلکہ علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے دعا پڑھی ہے جو کہ مستحب ہے"

(افادہ بست ونہم):29

اور کچھ نہ سہی اتنا تو ہے کہ یہ فعل (تقبیل ابہامین) اعمالِ مشایخ سے ایک عمل ہے، ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں جن میں بندگانِ خدا کا نفع ہوتا ہے، کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سند خاص نہیں مانگتا، کتبِ ائمہ وعلما ومشایخ واساتذۂ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اورخود ان کے بزرگوں کی تصانیف میں ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں، وہ انہیں کیوں بدعت وممنوع نہیں کہتے۔

جیسا کہ خود شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں:

''اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبا نسخہا سے قرابا دین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت اول طلوع صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم را باآں نور دوختن و ''یانور'' را مکرر گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد واحادیث نفس می نشاند

(اعمالِ تصریفیہ میں نئی نئی ایجاد کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ایسے ہی ہے جیسے اطباع قرابا دین سے نسخوں کا استخراج کر لیتے ہیں، اس فقیر کو معلوم ہے کہ اول صبح صادق سے سفیدی تک صبح کے مقابل بیٹھنا اور آنکھ کو اس کے نور کی طرف لگانا اور ''یا نور'' کا لفظ بار بار ایک ہزار تک پڑھنا کیفیت ملکیہ کو قوّت دیتا ہے اور وسواس سے نجات دلاتا ہے)''۔

(افادہ سیم):30

ہم نے تو تقبیل ابہامین کا جواز واستحاب ہی ثابت کرنا تھا جو بعونہ عزوجل باحسن وجوہ ثابت ہوا مگر حضرات وہابیہ اپنے نئے اماموں کی خبر لیں ان کے طور پر یہ فعل جائز کہاں کا مستحب کیسا خاص سنّت سنیہ بلند وبالا ہے اور اُس کا منکر سنّتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رد کرنے والا ہے۔

تلخیص کنندہ:

محمد احمد سعید سیالوی مدرس جامعہ محمدیہ معینیہ

2020/4/2 بروز جمعرات